ہی کے ہو کر رہو

خرم مرادؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقت کیا چیز ہے؟

یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کی تہہ تک انسان آج تک نہیں پہنچ سکا ہے۔
جب زندگی کا دھارا بہتا ہے تو انسان سوچتا ہے کہ وقت کیا ہے! فلسفیوں نے بھی کاوشیں کیں، شعرا نے بھی مضمون باندھے اور عام انسان نے بھی، لیکن کسی کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ وقت کی حقیقت کیا ہے؟ نبی کریمؐ کے ارشاد کے مطابق، وقت ہے ہی ایسی چیز جس کی حقیقت کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ لیکن بعض چیزیں ہم خوب جانتے اور پہچانتے ہیں، مثلاً خوشی کے لمحات ہوں تو پر لگا کے اڑ جاتے ہیں، درد و غم اور پریشانی کے لمحات ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ٹل کے نہیں دیتے۔ اسی طرح بعض دفعہ چند لمحات میں برسوں کا کام ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ برس گزر جاتے ہیں مگر چند لمحوں کی بھی پیداوار ہاتھ نہیں آتی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا وہ راز ہے جس کو وہی جانتا ہے۔ اس نے خود ہی فرمایا ہے کہ ہمارا ایک

دن ان ہزار سالوں کے برابر ہے جن سے تم وقت شمار کرتے ہو، اور کہیں فرمایا کہ ہمارا ایک دن ۵۰ ہزار برس کے برابر ہے۔

گھڑی ایک پیمانہ ہے جو وقت بتاتی ہے، منٹوں، گھنٹوں اور دنوں میں ——— یہ ایک مشینی پیمانہ ہے۔ لیکن وقت کے کچھ پیمانے دوسرے بھی ہیں، جن میں ایک رات ہزار مہینوں کے برابر بھی ہوسکتی ہے اور ایک لحظہ کی غفلت منزل کو صدیوں دور کرسکتی ہے۔ وقت کا یہ وہ پیمانہ ہے جس سے ہم سب خوب واقف ہیں لیکن اس کی حقیقت اور راز کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اسی پیمانے نے رمضان المبارک کے مہینے کو، اس کی راتوں اور دنوں کو ایک عجیب حقیقت میں بدل دیا ہے۔ ایک فرض ۷۰ فرض کے برابر ہو جاتا ہے۔ اعمال اور مساعی اور کاوشیں یک لخت دوسرا ہی رنگ اختیار کرلیتی ہیں۔ ایک نفل فرض کے برابر ہو جاتا ہے جو شاید عام دنوں میں، کسی لمحے، کسی حساب سے، کسی مسلک کے تحت اور شریعت کے کسی بھی فارمولے سے ممکن نہیں ہے۔

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ فرشتے اللہ کے حکم سے اس رات میں نازل ہوتے ہیں اور جو کچھ اس رات میں پایا جاتا ہے وہ عام حالات میں ممکن نہیں۔ ویسے تو ہر

رات میں ایک گھڑی ایسی آتی ہے جس کی خبر صادق مصدوق نے دی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے، اپنے چاہنے والوں سے قریب آتا ہے اور پکارتا ہے کہ ''ہے کوئی جو مجھ سے مانگنے والا ہو، میں اس کو عطا کروں۔ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرنے والا ہو، میں اس کا سوال پورا کروں، اور ہے کوئی جو اپنے گناہ بخشوانا چاہے، میں اس کے گناہ بخشنے کے لیے موجود ہوں۔''

ہم میں سے جو بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے، وہ کسی نہ کسی درجے میں اپنے دل میں چھپی، ظاہر یا کھلی یہ خواہش ضرور رکھتا ہے کہ اسے اللہ کا قرب نصیب ہو، اس کی نگاہوں میں محبوبیت اور مقبولیت حاصل ہو۔ ٹوٹے پھوٹے اعمال، دل، اور زندگیاں رکھنے کے باوجود اور ہزار ٹھوکریں کھانے کے باوجود یہ تمنا دلوں کے اندر مچلتی رہتی ہے۔ وہ تو خود تیار بیٹھا ہے، بشرطیکہ ہم یہ جان لیں کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے اور اسے کیا مطلوب ہے؟ وہ کیا چیز ہے جس سے اس کا قرب، اس کی محبت، اس کی نگاہوں میں مقبولیت اور اس کا وہ اجر عظیم ہمارے حصے میں آسکتا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے تیار کر رکھا ہے؟ اگر ہم ویسے ہی بن جائیں جیسا وہ چاہتا ہے تو یقیناً اس کا قرب ہمیں حاصل ہوگا۔

اللہ کیا چاہتا ہے؟ اس کا ایک جواب تو بہت تفصیل سے دیا جاسکتا ہے

جس سے دین کی اور مسائل کی اور اخلاق پر وعظ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ مگر ایک مختصر جواب جو قرآن مجید نے دیا ہے، وہ یہ ہے کہ تم صرف اللہ کے بن جاؤ اور صرف اسی کے ہو کے رہو۔ یہی راہ اس کی نظر میں قبولیت اور محبوبیت کی راہ ہے۔ اس کے لیے اس نے حنیف ہونے کا مطالبہ کیا ہے، دعوت دی ہے، پکارا ہے اور بار بار کہا ہے: عبادت کرو تو حنیف بن کر کرو، اللہ کی طرف رخ کرو تو حنیف بن کر کرو، صراط مستقیم کی طرف رخ کر کے چلو تو حنیف بن کے چلو، ملت ابراہیم کو اختیار کرو تو حنیف بن کے کرو۔ حنیف کا ترجمہ یہی ہے کہ یکسو ہو جاؤ۔ شاہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ میں: ''اللہ کے ہو رہو۔'' یعنی اس کے ہو جاؤ اور کسی کے نہ ہو۔ تمہارا دل، تمہاری زندگی، تمہارے اعمال، تمہارے مقاصد، تمہاری کاوشیں، تمہاری کوششیں، سب صرف اسی کے لیے ہوں اور کسی کے لیے نہ ہوں۔ یہ سیدھا، صاف اور چند الفاظ کا نسخہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بار بار بیان فرمایا ہے: **وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ** (البینۃ ۹۸:۵) ''اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر۔'' اس کے علاوہ نہ کوئی حکم دیا گیا ہے اور نہ کوئی مطالبہ کیا گیا ہے۔

اللہ کا بن جانا، اللہ کا ہو جانا، اور اللہ کا بن کر رہنا یہی ہمارا مقصود و مطلوب ہونا چاہیے۔ اسی سے اس کا قرب حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ اللہ کے لیے یکسوئی کے کیا معنی ہیں؟ اسی کا ہو رہنا اور اسی کا بن جانا، اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کوئی بڑا مشکل سوال نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم دنیا میں روز اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو کسی کا بن جاتا ہے اور اسی کا ہو رہتا ہے، پھر اس کی کیا کیفیت اور حالت ہوتی ہے اور اس کی زندگی کا کیا نقشہ اور رنگ ہوتا ہے۔ دل کس طرح اسی کے دھیان میں، اسی کی فکر میں، اسی کے کام میں، اسی کی مرضی پوری کرنے میں، اور اسی سے محبت کرنے میں لگ جاتا ہے۔

یہاں بار بار حنیف ہو کر رہنے کو کہا گیا ہے۔ حنیف کا رنگ، حنیف اول سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید نے جب بھی حنیف کا ذکر کیا ہے تو ابراہیمؑ کی داستان کا جو قربانی کی داستان ہے، تذکرہ کیا ہے۔ اس داستان کے کسی ورق کو اٹھا کر دیکھ لیجیے، اندازہ ہو جائے گا کہ حنیف کیسا ہوتا ہے۔

پہلا ورق الٹیے۔ ستارے سامنے آتے ہیں، چاند طلوع ہوتا ہے، سورج آسمان پر چمکتا ہے، ہر ایک میں دل اٹک جاتا ہے کہ شاید یہی اس لائق ہے کہ

اس کو مقصود و محبوب بناؤں، شاید یہی میرا رب ہے۔ اس لیے کہ رب کے علاوہ کون محبوب و مقصود اور مطلوب بن سکتا ہے۔ ستارہ ڈوب جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں: لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (الانعام ۶:۷۶) کہ ڈوبنے والوں سے میں محبت نہیں کرسکتا۔ ڈوبنے والوں سے محبت کے یہ معنی ہیں کہ جب وہ ڈوبیں گے تو میں بھی ڈوبوں گا۔ مجھے تو کوئی ایسا مقصود چاہیے جس کے ڈوبنے کا کوئی امکان نہ ہو، جس کے لیے میں یکسو ہو جاؤں۔ چاند چمکتا ہے تو سوچتے ہیں کہ یہ اتنا نور اور روشنی لے کر آیا ہے، اتنا بڑا ہے، شاید یہی میرا مقصود ہو۔ لیکن وہ بھی ڈوب جاتا ہے۔ جب سورج اپنی حرارت اور روشنی لے کر آسمان پر جلوہ افروز ہوتا ہے، زندگی ایک دم جاگ اٹھتی ہے، پودوں کو، انسانوں کو، ہر ایک کو زندگی کی حرارت ملنا شروع ہوتی ہے تو منہ سے نکلتا ہے: هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ (الانعام ۶:۷۸) ''یہ ہے میرا رب، یہ سب سے بڑا رب ہے۔'' لیکن جب وہ بھی ڈوب جاتا ہے تو فرماتے ہیں: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (الانعام ۶:۷۹) ''میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کرلیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے

نہیں ہوں۔'' یعنی میں نے تو اپنی شخصیت کا رخ، اپنا چہرہ، اپنی زندگی، اپنے اعمال، اپنا دل، سب کا رخ اس کی طرف کرلیا جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ۔گویا'' حنیف'' ہوکر، سب سے کٹ کے، یکسو ہو کے صرف اسی کا ہو گیا ہوں اور اس میں بھی کسی کو شریک نہیں کرتا۔ سجدہ کرنا، نذر ماننا، کسی دوسرے سے مدد مانگنا، شرک کی قسمیں ہیں۔ لیکن یہاں پر شرک کی ایک نئی قسم کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنی رخ بھی کسی اور کی طرف نہ ہو، صرف اسی کی طرف رہنا چاہیے۔ نہ نگاہ اِدھر نہ اُدھر، نہ اِس پر جمے نہ اُس پر۔

پیدائش سے موت تک زندگی میں نہ معلوم کتنے ستارے چمکتے ہیں جن میں دل اٹک جاتا ہے، کتنے چاند ہیں جن کا نور نگاہوں کو کھینچ لیتا ہے، اور کتنے سورج آسمان پر طلوع ہوتے ہیں جن کے آگے انسان سجدہ ریز ہو جاتا ہے، لیکن حقیقت بین نگاہ جانتی ہے کہ ان میں سے ہر شے ڈوبنے والی ہے۔ کوئی اس بات کی مستحق نہیں کہ انسان جس میں رب کائنات نے خود اپنی روح پھونکی ہے، وہ ان میں سے کسی کو اپنا مقصود ومطلوب اور محبوب بنائے۔ وہ تو ایک ہی ہوسکتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا، زمین کو پیدا کیا اور خود انسان کو پیدا کیا۔
یہ حنیف کی راہ میں پہلا قدم ہے، یعنی اپنا رخ درست کرلو، اپنا قبلہ ٹھیک کرلو۔

نماز کو دیکھیے۔ نماز تو اللہ کے بندے کی پوری زندگی کا --- اگر آپ ایک کیپسول میں بند کر کے دیکھنا چاہیں --- عکس اور نمونہ ہے۔ اگر قبلہ کی طرف رخ صحیح نہ ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے قبلہ غلط ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ صحیح قبلہ کدھر ہے تو فوراً رخ بدلنا ضروری ہے۔ نماز میں چہرہ بھی قبلے کی طرف ہوتا ہے اور پیشانی بھی، بال بھی قبلے کی طرف ہوتے ہیں اور نگاہیں بھی، بیٹھتے ہیں تو پاؤں کی انگلیاں بھی موڑ کے قبلے کی طرف کر لیتے ہیں اور ہاتھ بھی رکھتے ہیں تو انگلیاں قبلے کی طرف ہی ہوتی ہیں۔ غرض جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس کا رخ قبلے کی طرف نہ ہو۔ جو اللہ کا قرب چاہتا ہو، یہی اس کی زندگی کا نمونہ ہے۔ اگر قبلے کی طرف صحیح رخ نہ ہو تو جس طرح نماز فاسد ہو جاتی ہے، اسی طرح زندگی بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ گو اس پر فساد، کفر، نفاق اور شرک کا فتویٰ تو نہیں لگایا جا سکتا، یہ تو شریعت کا معاملہ ہے، لیکن اللہ کی بارگاہ میں تو اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔

صرف رخ کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ کی طرف لپک کے جاؤ۔ اسی لیے فرمایا: **فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ** ط (الذّٰریٰت ۵۱:۵۰) ''پس دوڑو اللہ کی طرف۔'' شوق اور بے تابی اس پر مجبور کر دے کہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھو، دوسروں کو پیچھے

چھوڑ جاؤ۔ ذرا کبھی آپ ذہن میں تصویر لا کر اس آدمی کا تصور کیجیے جو کسی دوڑ میں بھاگ رہا ہو۔ اس کا تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ جلدی سے جلدی پہنچ کر اس کھمبے کو یا اس لکڑی کو چھو لے جس پر جیتنے والا سب سے پہلے پہنچتا ہے۔ کیا اس دوران اس کے قدم راستے سے ہٹ کر ادھر ادھر جا سکتے ہیں؟ وہ تو اپنے راستے سے ہٹ کر ایک انچ بھی ادھر ادھر نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے کہ پیچھے رہ جائے، منزل تک نہ پہنچ سکے، لیکن کیا اس کی نگاہ دائیں اور بائیں مڑ سکتی ہے؟ نہیں، اس کی نگاہ اپنے ہدف پر جمی رہتی ہے، اسی کی طرف وہ بھاگتا رہتا ہے۔ یہی اللہ کو مطلوب ہے۔ ہم کتنا چلتے ہیں، کتنے میدان مارتے ہیں، کتنا گر کے پھر اٹھتے ہیں اور پھر دوڑنا شروع کرتے ہیں اور جب اٹھتے ہیں تو پھر نگاہ اسی پر جمی ہوتی ہے، یہ تو اس کو بڑا محبوب ہے۔ اس میں سے کوئی چیز بھی منزل کھوٹی نہیں کرتی۔ لیکن جب نگاہ ہٹ جائے تو فرمایا: **لَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ** (الحجر ۱۵:۸۸) ”تم اس متاعِ دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے ان میں مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہے۔“

نصب العین کا لفظ تو ہم بہت بولتے ہیں۔ نصب العین وہ ہوتا ہے جس پر نگاہ جا کر جم جائے یا نصب ہو جائے۔ اللہ سے قرب کے لیے اس کی طرف رخ کرنا اور نگاہ جمانا ضروری ہے اور لپکتے ہوئے اس کی طرف جانے کی کوشش کرنا

بھی ضروری ہے۔ اس کو سوائے رخ کرنے کے اور ارادے اور سعی کے اور کچھ مطلوب نہیں ہے۔ اگر میری بات کو آپ غلط نہ سمجھیں تو میں یہ کہوں گا کہ نہ اس کو نمازیں مطلوب ہیں، نہ روزے، نہ حج مطلوب ہے، نہ جہاد۔ یہ سب تو اس چیز کی علامتیں ہیں کہ رخ اس کی طرف ہو گیا، کوشش میں لگے ہوئے ہیں، کوشش کر رہے ہیں، گرتے ہیں تو پھر اٹھتے ہیں اور پھر اسی کی طرف چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ **فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ** (دوڑو اللہ کی طرف)۔

اللہ نے اپنی طرف آنے کے لیے جہاں بھی دعوت دی ہے ہر جگہ اس نے وہ فعل استعمال کیا ہے جس میں سرعت، تیزی، مسابقت اور بھاگنے کا کام شامل ہے، مثلاً سارعوا (تیزی کے ساتھ آؤ)، سابقوا (ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو)۔ یہ ایک جگہ کھڑے ہونے کی منزل اور راستہ نہیں ہے۔ یہ تو مسلسل تیزی کے ساتھ طے کرنے کا راستہ ہے۔ یہ اس کے قرب کا راستہ ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ سب کچھ اسی کے لیے وقف کر دو: **قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ**

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الانعام ۶: ۱۶۱-۱۶۳) ''کہو، میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں، ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو، میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔''

دین قیم سے مراد سیدھا، مستحکم دین اور سیدھا راستہ ہے جو اللہ کے پاس لے جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ تو صراط مستقیم پر واقع ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (ہود ۱۱: ۵۶) ''بے شک میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔'' جیسے آپ کہتے ہیں کہ یہ مکان اس راستے پر واقع ہے۔ اس راستے پر چلیں گے، تو مکان تک پہنچ جائیں گے۔ اسی طرح صراط مستقیم پر تو ''رب'' واقع ہے اور صراط مستقیم ''رب'' تک پہنچاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ ابراہیمؑ کا طریقہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ ہی ماڈل اور نمونہ ہیں، اور وہ حنیف ہیں اور شرک کرنے والے نہیں ہیں۔ پھر فرمایا کہ میری نمازیں، میری قربانیاں، میرا جینا، میرا مرنا صرف اللہ کے لیے ہے، جو سارے جہانوں کا رب ہے اور اس میں، میں کسی کو شریک

نہیں کرتا۔ اور مجھے سب سے آگے بڑھ کر پہل کرنا ہے، آگے بڑھ کے نمونہ بننا ہے۔ مجھے اس راستے کے اوپر آگے آگے بڑھنا ہے، چلنا ہے، پیچھے نہیں رہنا بلکہ آگے رہنا ہے۔ **انا اول المسلمین۔**

جس کا قرب مطلوب ہو وہ نگاہ سے اشارہ بھی کر دے کہ یہ کرو اور یہ میری راہ میں دے دو تو آدمی کہے: حاضر ہوں، لبیک۔ میں آپ کی پکار پر جو کچھ ہے وہ پیش کرنے کو تیار ہوں۔ **وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ** (البقرہ ۲:۱۳۰) ''اب کون ہے جو ابراہیمؑ کے راستے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کر لیا ہو اس کے سوا کون یہ حرکت کر سکتا ہے؟'' اور ابراہیمؑ کا راستہ کیا تھا؟ **اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** (البقرہ ۲:۱۳۱) ''اس کا حال یہ تھا کہ جب اس کے رب نے اسے کہا: ''مسلم ہو جا'' تو اس نے فوراً کہا: ''میں مالک کائنات کا ''مسلم'' ہو گیا۔''

جب بھی اس کے رب نے کہا کہ اپنے آپ کو میرے سپرد کر دو، میرے آگے ڈال دو، میرے آگے بچھا دو۔ اس نے کہا: حاضر۔ کہا، آگ میں کود جاؤ۔ عقل ہوتی تو محو تماشا رہتی، یہ تو قرب کی خواہش تھی اور قرب کی خواہش کا نام ہی

محبت اور عشق ہے جو بے خطر آتش نمرود میں کود پڑا۔ کہا، گھر بار چھوڑ دو، گھر بار چھوڑ دیا۔ کہا، باپ کو چھوڑ دو، باپ کو چھوڑ دیا۔ کہا، باپ کے لیے استغفار بھی مت کرو، اس کو بھی ترک کر دیا۔ جہاں پانی نہیں تھا، ریگستان تھا، پہاڑیاں تھیں، وہاں اپنے اہل وعیال کو لے کر گھومتے رہے۔ اللہ کا کلمہ پہنچاتے رہے۔ حکم ہوا کہ بیوی اور شیر خوار بچے کو ایک ایسی جگہ لا کر چھوڑ دو کہ جہاں نہ پانی ہے، نہ کھیتی، نہ زندگی ہے، نہ انسان، اس پر بھی سر تسلیم خم کر دیا۔ اور جب آخر میں فرمایا گیا کہ بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دو، تو بیٹے سے پوچھا، کہو کیا رائے ہے۔ بیٹا بھی باپ سے کم نہیں تھا، کہنے لگا: **قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ** O (الصفات ۳۷:۱۰۲) ''اس نے کہا، ''ابا جان، جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔'' یہ تھا نقشہ **اِنِّیْٓ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** کا۔

جب آپ (اللہ کے لیے) یکسو ہو جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ اللہ کے قرب کی نعمت سے بڑی نعمت کیا ہو سکتی ہے کہ جس کا آپ تصور کریں۔ یہ دل، بکھرا ہوا اور ٹوٹا ہوا دل جو ہزار فکروں اور پریشانیوں کے اندر مبتلا رہتا ہے، یہ زندگی جو منتشر ہے اور ہزاروں مشغلوں کے

اندر گزرتی ہے، یہ ساری زندگی ایک ہی مشغلے کے تابع ہو جائے گی اور وہ مشغلہ ہے اپنے رب کی رضا کی تلاش۔ آپ نے مقناطیس دیکھا ہوگا۔ مقناطیس کو آپ کہیں بھی رکھ دیں، لوہے کے ہزاروں ذرات سمٹ کر اسی مقناطیس کے گرد آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر تو اللہ کی رضا اور اللہ، زندگی میں وہ مقناطیس بن جائے گا جس پر دل کی ساری سرگرمیاں، ساری مساعی اور کوششیں آکر مجتمع ہو جائیں۔ ایک بکھری ہوئی شخصیت، اور ایک بکھرے ہوئے دل کے مقابلے میں ایک مجتمع دل اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ **اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ**O (الرعد ۱۳:۲۸) "خبردار! اللہ کی یاد ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے۔" جب محبوب کی یاد دل میں ہوتی ہے تو دل یک سو ہو جاتا ہے، بکھرا ہوا نہیں رہتا۔ پھر اس کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، اور اطمینان سے بڑی کوئی نعمت نہیں جو انسان کو مل سکے۔

یہ اللہ کی رضا کی تلاش اس لیے ہے کہ اسی کا قرب چاہیے، اسی کی نظروں میں محبوب اور مطلوب اور مقبول بننا مقصود ہے۔ یہ منزل تو محبت کے سہارے ہی طے ہو سکتی ہے۔ عقل یہ تو بتا سکتی ہے کہ یہ راستہ چلنے کا ہے لیکن لگام تھام کے محبت کے راستے پر چلا نہیں سکتی۔ یہ تو عشق ہی ہے جو کبھی حسین بنتا ہے، کبھی

میری طرف کرلو۔ چلوتو میری طرف چلو۔ گر پڑو، لڑکھڑا جاؤ، بہک جاؤ، کوئی بات نہیں ہے، جب پلٹ کر آؤ گے میری آغوش رحمت کو کھلا ہوا پاؤ گے۔ یہاں تک کہ جان بدن سے نکلنے لگے اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا۔ صبح کو میں ہاتھ پھیلاتا ہوں کہ آؤ دن بھر جو گناہ کیے ہیں ان کی معافی مانگ لو۔ اس سے بڑھ کر کس سے قرب کا راستہ آسان ہوسکتا ہے۔ وہ تو رحمٰن ورحیم ہے، سخت گیر نہیں ہے۔ بس اتنی ہی بات کی ضرورت ہے کہ اسی کے بن جائیں، اسی کے ہورہیں اور اسی کی راہ پر چلیں۔ اگر گر پڑیں تو پھر کھڑے ہو جائیں اور پھر اسی کی طرف دیکھیں اور اسی کی طرف چلنا شروع کردیں۔

اللہ مجھے اور آپ، سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

(ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۰۰ء)

سے مانگتے ہیں اور جو رزق ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی محبت کا تقاضا ہے۔ ایک طرف اللہ کی محبت ہو، اور پھر مال کی اتنی محبت ہو کہ جیب نہ کھلے اور دل نہ کھلے، یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہوسکتی ہیں۔ فرمایا: ایمان اور بخل جمع نہیں ہو سکتے۔ جس کے اندر ایمان ہوگا اس میں اللہ کی محبت ہوگی، سب سے بڑھ کر ہوگی اور جس کے پاس اللہ کی محبت سب سے بڑھ کر ہوگی، اس کا دل فیاض ہوگا، وقت بھی دے گا اور مال بھی دے گا۔ جو کچھ ہوگا وہ اللہ کے بندوں کے لیے، ان کی مدد کے لیے، ان کو صحیح راستے پر لانے کے لیے، ان کو عدل وقسط کے نظام کے تحت لانے کے لیے، سب کچھ لگانے کے لیے تیار ہوگا۔

یہیں سے جہاد ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اس لیے کہ جہاد بھی اسی مالک کی وفاداری کا تقاضا ہے جس کو زندگی کا مقصود بنایا ہے۔

میرے بھائیو اور بہنو!

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا قرب بڑی مشکل چیز ہے۔ یہ تو بڑے اونچے درجے کے لوگوں کا کام ہے۔ یہ تو اولیا اللہ کے حصے میں آسکتا ہے۔ لیکن اللہ نے تو اپنا دروازہ ہر ایک کے لیے کھول دیا ہے۔ وہ تو خود نیچے دنیا کے آسمان پر آتا ہے، اور کہتا ہے کہ آؤ، اور مجھ سے مانگو۔ بس اتنا ہی تو چاہتا ہے کہ رخ

(وَبِالْاَسْحَارِھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ O الذاریات۵۱:۱۸)۔ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ (السجدہ ۳۲:۱۶) ''ان کی پیٹھیں بستروں سے الگ رہتی ہیں۔''

بات صرف یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ بڑی عجیب اور غور کرنے کی بات ہے کہ جہاں بھی اللہ نے شب میں اپنے سے ہمکلام ہونے کا ذکر فرمایا ہے، وہاں دن میں اپنے بندوں کے لیے دل کھول کر مال خرچ کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ ہمیشہ دونوں ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ سورہ ال عمرٰن میں فرمایا ہے: اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ O (۳:۱۷) ''یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، راست باز ہیں، فرماں بردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔'' سورہ الذاریات میں فرمایا: کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَایَھْجَعُوْنَ O وَبِالْاَسْحَارِھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ O وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ O (۵۱:۱۷-۱۹) ''راتوں کو کم ہی سوتے تھے، پھر وہی رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے تھے، اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لیے۔'' گویا ان کے پہلو بستر سے دور رہتے ہیں۔ اللہ کے خوف اور لالچ

ہیں۔ کثرت کے ساتھ یاد کرنے والا، کثرت کے ساتھ تیرا شکر کرنے والا، اور شکر تو خود ہی ذکر ہے۔ ''مطیع'' اور ''مطوع'' میں ایک بڑا نازک اور بڑا اہم فرق ہے۔ ''مطیع'' تو وہ ہے جو کہنا مان لے اور اطاعت کر لے، اور ''مطواع'' وہ ہے جو دوڑ دوڑ کے اپنے دل کی خواہش سے وہ کام بھی کرے جس کا حکم نہیں دیا گیا، جس کو لازم نہیں کیا گیا اور جو فرائض کے دائرے میں نہیں رکھا گیا۔ جیسے کوئی غلام اس انتظار میں بیٹھا ہو کہ کون سا موقع ایسا نکل آئے اور کون سی چیز ایسی ہو جسے میں کروں اور مالک کو خوش کر دوں اور اس حال میں کروں کہ اس کے بعد بھی دل اسی کے آگے جھکا رہے، اور پھر بھی یہ معلوم ہو کہ حق ادا نہیں ہوا۔

یہی وہ چیزیں ہیں جو بڑے بڑے اعمال نہیں ہیں، لیکن جو بڑے بڑے اعمال کو آسان کرتی ہیں۔ انہی اعمال میں سے ایک عمل رات کی عبادت ہے۔ یہ فرض تو نہیں ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ شب کا وقت ہی وہ وقت ہے جب آدمی اپنے محبوب سے ہم کلام ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ یہ سب سے بہترین وقت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو ہمارے محسن اور متقی بندے ہیں وہ راتوں کو کم سوتے ہیں۔ (قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ O (الذاریات ۵۱:۱۷)۔ ''رات کے پچھلے پہروں میں معافی مانگتے ہیں۔''

چیز سے ہوتا ہے۔ میں کیا کروں جس سے مجھے یہ نصیب ہو جائے۔ اس میں ایک لذت ہے۔ اللہ کے آخری نبیؐ تو اسی کی دعا کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے: **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الرِّضَا بِالْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَالشَّوْقِ اِلٰی لِقَاءِكَ** ''اے اللہ، میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تیرے ہر حکم پر راضی رہوں، موت کے بعد زندگی کی لذت نصیب ہو، تیرے کریم چہرے کو دیکھنے کی لذت ملے، اور تیری ملاقات کا مشتاق رہوں۔۔۔'' یہ بھی محبت کا ایک تقاضا ہے۔

آرزوئیں، تمنائیں بتاتی ہیں کہ کیا چیزیں اللہ سے قریب کرنے والی ہیں۔ جو باتیں میں نے آپ کے سامنے بیان کیں، انہی باتوں کو نبی کریمؐ کی ایک اور دعا بڑے دل نواز انداز میں سمیٹ کر ہمارے سامنے رکھ دیتی ہے: **رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَكَ ذَكَّارًا لَكَ شَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُطِيْعًا اِلَيْكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُّنِيْبًا** (ترمذی) ''میرے رب مجھے ایسا بنا دے کہ میں تجھے بہت یاد کروں، تیرا بہت شکر کروں، تجھ سے بہت ڈرا کروں، تیری بہت فرمانبرداری کیا کروں، تیرا بہت مطیع رہوں، تیرے آگے جھکا رہوں، اور آہ آہ کرتا ہوا تیری ہی طرف لوٹ آیا کروں۔''

جبار، قہار، غفار، عربی زبان کے یہ الفاظ کثرت اور کمال کو ظاہر کرتے

کرسکتا ہے کہ شاید اسی صبح کے بعد بلاوا آجائے اور وہ اپنی ملاقات کے لیے طلب فرمالے۔ شاید یہی شام، آخری شام ہو اور اس کے بعد اس سے ملاقات ہو جائے۔ اللہ سے ملاقات کا مسلسل دھیان، اللہ سے ملاقات کی مسلسل تیاری، صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرے، شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کرے، یہ بھی اللہ کو اپنے قرب کے لیے مطلوب ہے۔

میں بڑے بڑے اعمال آپ کے سامنے نہیں رکھ رہا۔ میں تو آپ سے یہ کہتا ہوں کہ یہ وہ کیفیات ہیں جو خود اعمال کا وسیلہ بنیں گی۔ اخلاص ہوگا، اللہ کی طرف رخ ہوگا، اللہ کی طرف توجہ ہوگی، اللہ ہی کو اپنا مقصود بنائیں گے، اس سے سب سے بڑھ کر محبت ہوگی اس لیے کہ یہ ایمان کی نشانی ہے، اسی کی یاد زبان پر، دل میں، عمل میں ہر وقت طاری رہے گی تو اعمال کا راستہ خود بخود کھلے گا۔ جو چاہتے ہیں اس کے بغیر بڑے بڑے کام کر جائیں، ان کو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ جو ایک دفعہ اللہ کے لیے یکسو ہو جائیں، حنیف بن جائیں، اسی کے بن جائیں، اسی کے ہو رہیں، جن کی نظر صرف اس پر رہے کہ اللہ کو کیا مطلوب ہے، ان کے لیے اس راستے کی ہر منزل بڑی آسان ہوتی ہے۔

یہ تو ایک کیفیت ہے کہ نظر اس کے کریم چہرے پر رہے کہ وہ خوش کس

رمٰی ج (الانفال ۸: ۱۷)، بلکہ اللہ نے پھینکا۔ یعنی معرکہ بدر میں جب حضورؐ نے مٹھی بھر ریت پھینکی تھی، گو ہاتھ رسول کا تھا لیکن ضرب اللہ کی تھی۔ تدبیر کی ہر جگہ اسی کا ہاتھ کارفرما ہے۔ جو کچھ ملتا ہے، اسی سے ملتا ہے۔ صبح ہو تو حمد، شام ہو تو حمد، رات ہو تو حمد، کپڑا پہنے تو حمد، کھانا شروع کرے تو حمد اور شکر، یہاں تک کہ اگر گناہ کرے اور گناہ کر کے اس پر استغفار کی توفیق ہو تو اس پر بھی شکر۔

حمد اور استغفار، یہ دو بازو ہیں جن کے بل پر زندگی کا پرندہ اللہ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ نبی کریمؐ کی جدوجہد بالکل آخری مراحل میں تھی۔ جب جدوجہد کا قرب تو ختم ہو رہا تھا اور اللہ کا قرب ہونے والا تھا، اس وقت آپؐ کو ہدایت فرمائی گئی: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ط (النصر ۱۱۰: ۳) ''اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو۔''

جس سے محبت ہے وہ دنیا میں آنکھوں کے سامنے نہیں ہے لیکن اس نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ایک دن تم سے ملاقات ہوگی۔ کون سا محبت کرنے والا ایسا ہے جس نے اس کو اپنا قبلہ اور مقصود بنایا ہو، اپنی زندگی کا رخ اس کی طرف کیا ہو، اور وہ اس بات کو بھول جائے کہ یہ سانس جو باہر گئی ہے شاید یہی آخری سانس ہو جس کے بعد اس سے ملاقات مقرر ہے۔ وہ کیسے اس بات کو فراموش

میں آئے اور کہا کہ ہائے میرے گناہ! ہائے میرے گناہ! روتے، چیختے، چلاتے، تڑپتے تھے۔ حضورؐ نے کہا کہ اچھا بیٹھ جاؤ، اور کہو: **اَللّٰهُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِيْ وَرَحْمَتَكَ اَرْجٰى عِنْدِيْ مِنْ عَمَلٍ** ،اے اللہ، تیری مغفرت میرے سارے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے، اور میری امیدیں اپنے اعمال سے نہیں، تیری رحمت سے وابستہ ہیں۔ فرمایا، تین دفعہ کہو۔ پھر فرمایا: کھڑے ہو جاؤ تمہارے سارے گناہ معاف ہو گئے ہیں۔ لہٰذا جس کی نعمتیں اتنی ہوں، آدمی اس کا جتنا بھی شکر ادا کرے وہ کم ہے۔ شکر پر تو قرب کی پوری زندگی قائم ہے۔ شکر ادا کرنے سے محبت بڑھتی ہے اور محبت بڑھنے سے آدمی مزید شکر گزار ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ قربت کی تلاش کا آغاز ہی شکر سے ہوتا ہے۔ قربت کا نسخہ بتانے والی کتاب کا آغاز بھی **الحمدللہ رب العالمین** سے ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے اس سے ملا ہے۔ منہ میں نوالہ یا لقمہ ہم نہیں رکھتے: **هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ**O (الشعراء ۲۶:۷۹)، وہی کھلاتا اور وہی پلاتا ہے۔ شفا دوا سے نہیں ہوتی: **وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ** O (الشعراء ۲۶:۸۰)، میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا بخشتا ہے۔ جہاد کرتے ہیں تو ہم دشمنوں کو نہیں مارتے: **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ** ص (الانفال ۸:۱۷)، اللہ نے ان کو قتل کیا۔ تدبیر ہم نہیں کرتے: **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ**

محبت کی یہ چند نشانیاں میں نے آپ کے سامنے رکھی ہیں۔ یہ رات تو ایسی رات ہے، اس رات کی گھڑیاں تو ایسی گھڑیاں ہیں کہ اس میں آپ کا ہر لمحہ اس سے قربت کی جستجو میں گزرنا چاہیے۔ میں اس داستان کو اور طویل نہیں کرنا چاہتا۔ جب محبوب ایسا ہو جس کے انعامات کی کوئی حد نہ ہو تو ایسے محبوب کے کیا کہنے۔ بعض محبوب تو روٹھے ہوئے ہوتے ہیں، یہ محبوب تو ایسا ہے کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ جتنا تو نعمتیں کر کے ہم کو اپنے سے اور اپنی محبت سے قریب کرتا ہے، اتنا ہی ہم گناہ کر کے تجھ سے دور ہوتے ہیں۔ جتنے ہم گناہ کرتے ہیں اس کی نعمتیں اتنی ہی ہم پر زیادہ ہوتی ہیں اور جب گناہ ہوتا ہے اور لوٹ کے اس کے پاس جاتے ہیں، تو اس کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ کسی ریگستان میں جہاں آدمی کے پاس نہ کھانے کو ہو، نہ پینے کو اور اونٹ گم ہو گیا ہو، اور اچانک ساری چیزیں اس کو مل جائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کون سا گناہ ایسا ہے جو ہم معاف نہیں کر سکتے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ط (الزمر ۳۹:۵۳) ''یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔'' کیا تمہارے گناہ ہماری مغفرت کو عاجز کر سکتے ہیں؟ کیا تمہارے گناہ ہماری مغفرت سے زیادہ وسیع ہو سکتے ہیں؟ ایک صحابیؓ مسجد نبویؐ

جہاد کرنا، یہ بھی تو محبت ہی کی کسوٹی پر پورا اتر سکتا ہے۔اسی لیے فرمایا: کیا چیز زیادہ پیاری ہے، باپ، بیٹے، بیویاں، رشتے دار، تجارت، کاروبار، مکان، کھیتیاں، مال و دولت، بینک بیلنس یا اللہ، اس کا رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد، جہاد فی سبیل اللہ۔ان میں سے کیا چیز پیاری ہے۔ یہ سوال نہیں ہے کہ کس چیز کے تم عقلاً زیادہ قائل ہو، محبت کس سے زیادہ ہے، محبت تو خود پرکھ کے بتا دے گی کہ کون زبان سے نام لے رہا ہے اور کس کے دل میں واقعی اس کی پیاس اور محبت موجود ہے۔زبان سے ایسے دعوے اور ذکر کرنے سے ڈرنا چاہیے جس کا وجود دل میں نہ ہو۔اس حوالے سے قرآن مجید کی یہ آیت دل دہلا دینے والی ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون ۶۳:۱) ''اے نبیؐ، جب یہ منافق تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسولؐ ہیں۔'' ہاں، اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور اس کے رسولؐ ہو، مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔'' زبان سے سچ بات نکلی ہے لیکن اللہ کی گواہی کی مہر ثبت ہوگئی ہے کہ زبان سے سچی بات نکلنے کے باوجود یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

کعبہ کیا ہے؟ وہاں خدا نہیں رہتا، وہ تو ہر جگہ موجود ہے۔ کعبہ سے بڑھ کر تو وہ مومن کے دل میں رہتا ہے۔ لیکن آدمی ہزاروں میل کا سفر طے کر کے وہاں پہنچتا ہے، دو چادریں لپیٹ لیتا ہے، دیوانہ وار اس کے گھر کا چکر لگاتا ہے، مگر چین نہیں آتا۔ بوڑھے، بچے، عورتیں، کالے گورے، لال پیلے قدموں کو آدمی دیکھ لے جو مطاف میں گھومتے ہیں، ہر قدم پر دل چاہتا ہے کہ آدمی فدا ہو جائے۔ کس چیز نے ایک چوکور گھر کو جس میں فن تعمیر کا کوئی کمال نہیں ہے، اتنا محبوب کر دیا۔ صرف اس لیے کہ یہ اس سے نسبت رکھتا ہے جو اب زندگی کا مقصود بن گیا ہے، جس کی طرف زندگی نے رخ کر لیا ہے، دل نے بھی رخ کر لیا ہے۔ چہرے ہی نے نہیں، بلکہ پوری زندگی نے رخ کر لیا ہے اور جو سب سے بڑھ کر محبوب اور مطلوب ہو گیا ہے۔ پھر اس کے دین سے بڑھ کر کیا محبوب ہو سکتا ہے۔

جس سے محبت ہوتی ہے دل یہ چاہتا ہے کہ کچھ بھی کریں، بس کسی طرح اس کو خوش کریں۔ اس کی نگاہِ خوشنودی ہماری طرف متوجہ ہو جائے۔ لوگ محبوب کی خاطر جیبیں کھول لیتے ہیں، محبوب کی خاطر لمبے لمبے راستے طے کرتے ہیں، محبوب کی خاطر جدوجہد کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال دینا، اللہ کی راہ میں

جس سے محبت ہوتی ہے، جس چیز کو بھی اس سے نسبت ہو جائے، اس سے بھی محبت ہوتی ہے۔ وہ اس کا دروازہ ہو، اس کا گھر ہو، خواہ بہت عام سا گھر ہو، ایسے پتھروں سے بنا ہو جن کو کوئی کاریگر اٹھا کے آپ کے مکان میں نہیں لگائے گا، غرض ہر چیز پیاری ہو جاتی ہے۔ اس کا نامہ آجائے، خط آجائے، اس کی کتاب آجائے، اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ اس کا قاصد آجائے، اس کا پیغامبر آجائے، اس کی طرف چلنے کا راستہ بتانے والا آجائے، رہبر آجائے تو وہ جان و مال سے اور ماں و باپ سے، سب سے زیادہ بڑھ کر محبوب ہو جاتا ہے۔ اس لیے نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو ان سب میں سے ہر چیز سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔

لوگ قرآن مجید پڑھتے تھے اور رات رات بھر اس کے اندر گزار دیتے تھے۔ راتیں تو آدمی محبوب کے ساتھ ہی لذت اور کیف میں گزار سکتا ہے، فلسفے اور منطق کی کتابیں پڑھ کر نہیں۔ یہی وجہ ہے رات رات بھر اسی کتاب کی نذر ہو جاتی تھی۔ کانوں میں آواز پڑتی تھی، محبوب سے تعلق بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا، ایمان بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا، دل کانپ اٹھتے تھے، آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، کھالیں اور دل سب نرم پڑ جاتے تھے۔۔۔ یہ بھی محبت اور عشق کا اعجاز تھا۔

محبت کرنے والے کے لیے اس سے زیادہ دل نواز صدا کیا ہو سکتی ہے۔ ایک ایک لفظ کو دہراتا جاتا ہے، ہر پکار کے ہر جملے کو زبان سے دوبارہ کہتا ہے۔ اسی میں اس کو لذت اور مزہ ملتا ہے۔ اس کی گلی اور کوچے کی طرف جس کو مسجد کہتے ہیں قدم اٹھانا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے لیے پانچ وقت کی نماز بوجھ تو نہیں بن سکتی۔ ایسا آدمی نماز اس طرح تو نہیں ادا کر سکتا جیسے کوئی بوجھ سر سے اتار دیا اور گھر کی راہ لی۔

یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آدمی جیسا نماز میں گیا، ویسا ہی نماز سے واپس آجائے۔ کیا محبت کرنے والے کی قربت، محبت کرنے والے سے تکلم، محبت کرنے والے سے بات، ایسی چیز ہے کہ آدمی اس پورے تجربے سے گزر جائے اور ویسا کا ویسا ہی واپس آجائے جیسا کہ وہ اس کے اندر گیا تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کسی کے دروازے پر نہر بہہ رہی ہو اور وہ پانچ دفعہ اس میں غسل کرے تو کیا اس کے اوپر کوئی گندگی کا داغ باقی رہ سکتا ہے؟ آدمی جو گندگیاں لے کر محبوب کے پاس جائے، ملاقات کو حاضر ہو اور وہی واپس لے کر آجائے تو اس کے معنی ہیں کہ محبت خام ہے، یاد میں کمی ہے، ابھی محبت کے تقاضوں کا احساس اور شعور نہیں ہے۔

وَالْاَرْضِ ج (ال عمران ۳:۱۹۰-۱۹۱) ''زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔'' یہ تسبیحیں یاد کرنے سے اور وعظ و تلقین سے نہیں ہوتا۔ یہ کیفیت تسبیحیں گھمانے سے حاصل نہیں ہوتی، محبت سے حاصل ہوتی ہے۔ جو محبوب ہوگا اس کا ذکر دل میں ہوگا، اس کا ذکر زبان پر ہوگا اور اس کا ذکر عمل میں بھی ہوگا۔ اللہ کی تصویر دیکھی تو نہیں جا سکتی، لیکن جو اپنی رحمت میں، اپنی ربوبیت میں ہر جگہ عیاں ہے اسی کی تصویر نگاہوں کے سامنے آتی ہے۔ آسمان و زمین میں کون سا گوشہ ایسا ہے جہاں اس کی رحمت و رحمانیت اور اس کی رحیمیت و ربوبیت عیاں اور ظاہر نہ ہو اور آدمی دیکھ نہ سکتا ہو۔ وہ اٹھتے بیٹھتے، صبح و شام اللہ کو یاد نہیں کرے گا تو پھر اور کیا کرے گا۔

جس سے محبت ہوتی ہے اس سے ملاقات کی خواہش ہی نہیں ہوتی بلکہ خواہش تو بہت ہلکا لفظ ہے، بے تابی، شوق اور بے چینی ہوتی ہے۔ اور اگر وہ خود بلا لے تو آدمی سر کے بل اس کے کوچے میں جاتا ہے۔ ویسے بھی گلی کے چکر لگاتا رہتا ہے، پہلے سے جا کر بیٹھتا ہے لیکن اگر وہ خود بلا لے، دعوت دے کہ آؤ، تو

آپ کن دعووں کو اٹھا کے مسترد کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہیں، مجھ سے محبت ہوتی تو تم ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ میرا دل پہچان لیتا ہے کہ واقعی یہ محبت ہے، یا نہیں۔ جب آپ کا ناقص دل پہچان لیتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ ہی نہیں جانتا اور پہچانتا کہ محبت کے کون سے دعوے سچے اور کون سے دعوے خام اور جھوٹے ہیں۔

جس سے محبت ہوتی ہے، دھیان تو اسی کی طرف لگا رہتا ہے، دل میں ہر وقت اسی کی صورت گردش کرتی رہتی ہے، ہر لمحہ دل چاہتا ہے کسی بہانے سے اس کا ذکر چھڑے۔ ہم بات نہ کر رہے ہوں، کوئی دوسرا ذکر چھیڑے۔ کوئی دوسرا نہیں کرتا تو ہم ذکر چھیڑیں۔ مجلس ہو یا تنہائی، خلوت ہو یا جلوت، اسی کا ذکر ہو۔

جو سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں، جنہوں نے رخ اللہ کی طرف کر لیا ہو، جو اللہ کی طرف بھاگ رہے ہوں، جنہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے لیے وقف کر دیا ہو، وہ تو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ کوئی حالت ایسی نہیں ہوتی جو اللہ کی یاد سے خالی ہو۔ اسی لیے عقل والوں کے لیے فرمایا: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ O الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

خلیل، کبھی بدر و حنین بنتا ہے اور کبھی احد۔ یہ عشق اور محبت ہی ہیں جو دراصل منزل کا راستہ طے کراتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ** (البقرہ ۲:۱۶۵) ''ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔'' یعنی جنہوں نے ایمان لا کر اللہ کو ہی اپنا مقصود بنالیا وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں، ان کو سب سے بڑھ کر اللہ سے پیار ہوتا ہے، اللہ ہی کی محبت ان کے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔

محبت کیا چیز ہے، کس کو بتانے کی ضرورت ہے! کون سا ایسا بدبخت انسان ہوگا جس نے کبھی کسی محبت کا مزہ نہ چکھا ہو۔ محبت کو اسی طرح بیان کرنا ممکن نہیں ہے جس طرح یہ بیان کرنا ممکن نہیں ہے کہ بھوک، پیاس اور خواہش کیا ہوتی ہے۔ یہ تو آدمی اپنے دل کے تجربے سے جانتا پہچانتا ہے۔ اس کے لیے فلسفے کی، کسی کیمسٹری یا ریاضی کے فارمولے کی اور کسی منطقی بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دل کی گہرائیوں سے آدمی خوب پہچانتا ہے کہ محبت کیا ہے۔ زبان سے وہ کتنے ہی دعوے کرلے اور باہر سے کتنے ہی لبادے اوڑھ لے اور کتنے ہی محبت کے نعرے لگائے، لیکن وہ دل سے جانتا ہے کہ محبت کیا ہے۔ اگر کوئی آپ سے محبت کا دعویٰ کرے، تو آپ خوب جانتے ہیں کہ